© rasailojaraid.com

زیرِ نظر فقرہ ماجدی نسخہ کے متن کی عبارت کا بھی جزو ہے (دیکھو نسخہ ماجدی ص ۲۳۶) اور فاضل بدیع الزماں نے اس عبارت کو اپنے نسخہ بدیعی میں مستعملہ مخطوطوں میں سے تیسرے مخطوطے سے لے کر بعنوان "ملحقات" اصل کتاب کے مشمول چودہ ضمیموں میں سے تیرھویں ضمیمہ کے طور پر شامل کیا ہے۔ چونکہ جب تبسم صاحب نے بدیعی نسخہ ہی کا ترجمہ کیا ہے اور اسی کی خوبیوں اور خصوصیتوں کو اپنایا ہے تو ان کے لئے لازم تھا کہ اس امر کی بھی تصریح کر دیتے کہ اس فقرہ کو فیہ ما فیہ کے بدیعی نسخہ کے اصل متن سے کیا نسبت ہے تبسم صاحب کے ملفوظاتِ رومی کو اٹھا کر دیکھئے کہ فاضل بدیع الزماں نے جن چار فصلوں کو ملحقات کے طور پر پوری وضاحت سے تمام ضمیموں کے آخر میں جگہ دی ہے، تبسم صاحب نے ان کو بے تکلف فیہ ما فیہ کے بدیعی نسخہ کے ترجمہ کے متن میں شامل کر دیا اور مطلق اشارہ تک نہیں کیا کہ صورت واقعی کیا ہے اور کتاب کے ترجمہ میں بدیعی نسخہ کی پیروی کے بجائے ماجدی نسخہ کے متن کی پیروی کی گئی اور اس کی طرف بھی کوئی اشارہ نہیں کیا، خیر اعتراض کرنے کے لئے" ملحقات " میں سے ایک فقرہ نقل کر دیا۔ اور فرما دیا کہ یہ کتاب کے ٹائپ کی بے شمار غلطیوں کا ایک نمونہ ہے مگر چونکہ تبسم صاحب نے نہیں بتایا کہ کیا اور کہاں غلطی ہے۔ اس لئے اب خود ہمیں کو غلطی تلاش کرنے کی کوشش کرنا ہو گی۔

جب میں ایرانی نسخہ کے منقولہ فقرہ کے لفظ لفظ کو دیکھتا ہوں تو کسی ایک لفظ میں بھی ہجوں یا ٹائپ کی غلطی نظر نہیں آتی، رہی ماجدی اور بدیعی نسخوں میں کچھ لفظوں کی کمی زیادتی تو وہ ضرور ہے مثلاً مولانا عبدالماجد کے نسخہ میں ہے۔ " می گوید" اور بدیعی نسخہ میں صرف" گوید "ہے، یا ماجدی نسخہ میں "علیہم السلام" نہیں ہے اور بدیعی نسخہ میں" علیہم السلام "ہے، اسے بھی ٹائپ کی غلطی نہیں کہا جا سکتا۔

اگر انبیاء و اولیاء علیہم السلام کی طرف گناہ کی نسبت کی طرف اشارہ ہے، تو یہ نسبت ایرانی نسخہ ہی میں نہیں، ہندی ماجدی نسخہ میں بھی ہے، اس لئے یہ ٹائپ ہی کی غلطی نہیں لیتھو کی بھی ہے، اگر مضمون میں غلطی ہے تو اس میں کاتب اور کمپوزیٹر کی خطا نہیں مسودہ نگار کی یا جامع فیہ ما فیہ یا خود حضرت مولانا روم کی غلطی ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہمارے مولانا عبدالماجد کی نظر سے یہ غلطی پوشیدہ نہیں رہ سکتی تھی۔ وہ اس کی ضرور تردید کرتے یا حاشیہ لکھ کر کوئی تاویل فرماتے، اور اگر یہ بات ان کی نظر سے پوشیدہ بھی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

رہ جاتی اور وہ کوئی غلطی ہوتی بھی تو ہم ایسے ناچیز لوگ کاتب، کمپوزیٹر یا مرتب و مصحح یا جامع فیہ مافیہ تو کیا خود مولانائے روم سے بھی بکمال ادب و احترام مگر بڑی بے تکلفی سے اس بارے میں اپنا ناقص خیال ظاہر کر دیتے۔ مگر واقعہ یہ ہے کہ بحمد اللہ ایسی کوئی بات نہیں، کیوں کہ دونوں نسخوں میں منقولہ فقرہ سے آگے کی عبارت میں اس قسم کے تمام اندیشوں کا جواب باصواب بوضاحت موجود ہے، جو یہ ہے کہ:-

"تا بحضرت نالیدند آنکہ ایشان را بیامرزید" (نسخۂ ماجدی ص۲۳۸ سطر ۱۲)

اور نسخۂ بدیعی ص۳۸۳ سطر ۳ میں ہے۔

"تا بحضرت بنالیدند آنکہ ایشان را بیامرزید"

(منقولہ فقرہ کے بعض لفظوں پر خط میں نے لگایا ہے، کہ دونوں کا لفظی اختلاف ناظرین کے سامنے آجائے۔

لیکن اگر اعتراض اس پر ہے کہ ایرانی نسخہ کے منقولہ فقرہ میں علیہم السلام سے پہلے جو لفظ "را" آیا ہے۔ وہ درست نہیں یعنی تبسم صاحب کے خیال میں منقولہ بالا فقرہ:-

"ابن عطا گو انبیا و اولیا را علیہم السلام بگناہ مبتلا کرد"

کی بجائے، یہ فقرہ یوں ہونا چاہئے تھا کہ:-

"ابن عطا گوید انبیا و اولیا علیہم السلام را بگناہ مبتلا کرد"

تو ہمیں اسے جناب تبسم اور ان کے مشیروں کی غلط فہمی پر محمول کرنا ہوگا۔

فارسی میں ایسی ترکیب میں اسم کے بعد تجلیل یا تحسین کے کلمات کے درمیان حرف را یا فعل لے آیا جاتا ہے۔ قدیم فارسی تحریروں میں اس کی بکثرت مثالیں موجود ہیں خیر اور مثالیں تو بعد میں پیش ہوں گی خود مولانائے روم کے مکتوبات ہی میں اس کی مثال موجود ہے۔ پروفیسر بدیع الزماں نے اپنی ایک دوسری تالیف سوانحِ مولانائے روم میں مولانائے موصوف کے چند خطوط بھی نقل کئے ہیں جو آنجناب نے مختلف مواقع پر لکھے ہیں۔ انہی میں آپ کا ایک خط وہ ہے جو آپ نے اپنے فرزند رشید حضرت سلطان ولد کی اہلیہ محترمہ فاطمہ خاتون کو لکھا تھا۔ جب ان میں اور ان کے خاوند کی اہلی زندگی میں کسی قسم کی کوئی الجھن

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

پیدا ہو گئی تھی۔ حضرت مولانائے روم کے خط سے وہ گتھی سلجھ گئی۔ یہ خط ایک عربی شعر سے شروع ہوتا ہے، شعر کے بعد کا پہلا جملہ یہ ہے کہ :۔

"خدائے را جل جلالہٗ بگواہی می آورم" (شرح حال مولانائے روم از فروز انفرمنش ۱۸ طبع ایران)

عام طور پر خدا یا اللہ کے بعد جلّ جلالہٗ اور اس کے بعد "را" کو لانا چاہیئے۔ مگر فارسی ادب و انشاء میں اسم کے بعد "را" اور "را" کے بعد توصیفی وغیرہ کلمات لانا جائز بھی ہے اور مروج بھی۔ مثلاً حضرت حکیم الامۃ شیخ سعدی شیرازی کی گلستان ایک سدا بہار باغ ہے، صدیاں گذر جانے پر بھی اس کی نزہت و تازگی کا وہی عالم شباب سالم اور قائم ہے۔ زبان و بیان کا حسن و لطافت جوں کا توں باقی ہے، مسائل زندگی یا دوسری قسم کی عملی مشکلات میں حضرت شیخ کے سنجیدہ و فطین، حکیمانہ مگر مسرور و شاداں چہرہ کی طرف ایک نظر دیکھ لیجیئے، انشاء اللہ طرفۃ العین میں بڑی سے بڑی مشکل حل ہو جائے گی۔ اب اسی مشکل کو دیکھئے۔ آپ گلستان کا کہیں کا مطبوعہ مگر صحیح نسخہ اٹھا کر دیکھ لیجیئے۔ آپ کو اس میں پہلا فقرہ یہی ملے گا کہ :۔

"منت خدائے را عزّ و جلّ"

اس وقت اس کتاب کے پانچ مختلف ایڈیشن میرے سامنے ہیں۔ جن کی تفصیل یہ ہے :۔

۱۔ گلستان مصححہ جان پلاٹس مطبوعہ لندن ۱۸۷۶ء ٹائپ میں چھپی ہے اور مزایا کے علاوہ ڈیڑھ سو صفحوں میں تمام الفاظ کتاب کی مع تلفظ انگریزی میں فرہنگ دی گئی ہے۔

۲۔ " " میرزا عبد العظیم خان گرگانی استاذ دانش کدہ تہران مع حواشی مطبوعہ ۱۳۱۰ شمسی مطبوعہ مجلس تہران، ٹائپ میں چھپی ہے۔

۳۔ " " آقائے محمد علی فروغی طہران ۱۳۱۶ شمسی، ٹائپ میں چھپی ہے۔

۴۔ " " مترجم مولوی سید کلیم الدین حسنی مولوی فاضل منشی فاضل حیدر آباد دکن، پتھر کی چھپائی، کتابت و طباعت خراب۔

۵۔ " " محشّٰی از مولانا قاضی سجاد حسین صدر مدرس مدرسہ عالیہ فتحپوری دھلی۔ اچھا کاغذ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

گوارا کتابت - افسوس کہ ایسا نسخہ بھی اغلاطِ کتابت سے پاک نہیں ۔

غرض اِس کتاب گلستان کا پہلا فقرہ تو آپ کو یاد ہی ہے اب اس کا آٹھواں باب نکال کر دیکھئے۔ زیرِ بحث فقرہ کی قسم کا ایک جملہ کس کس شکل میں آپ کے سامنے آتا ہے ۔

۱- نسخۂ اول :- امام مرشد الغزالی ؒ رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند ص ۱۶۳

۲- نسخۂ سوم :- امام مرشد غزالی ؒ رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند ص ۱۹۸

۳- نسخۂ چہارم :- امام غزالی ؒ رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند ص ۲۶۰

۴- نسخۂ پنجم :- امام مرشد محمد غزالی ؒ رحمۃ اللہ علیہ پرسیدند ص ۲۳۵

مذکورہ بالا چار نسخوں میں نام کے بعد (ؒ) اور (ؒ) کے بعد دعائیہ جملہ موجود ہے ، اور نسخۂ دوم کے ص ۲۰۸ پر یہ جملہ بغیر " رحمۃ اللہ علیہ " کے یوں چھپا ہے :-

" امام مرشد غزالی ؒ پرسیدند "

" کشف الاسرار وعدۃ الابرار "[۱] قرآن حکیم کی قدیم ترین تفسیر ہے جو صدیوں گوشۂ گمنامی میں پڑی رہنے کے بعد اب ڈاکٹر آقا علی اصغر حکمت شیرازی کی سعی و کوشش سے مرتب و مسجل ہو کر دانش کدۂ تہران

[۱] تفسیر کشف الاسرار وعدۃ الابرار " معروف بتفسیر خواجہ عبداللہ انصاری ، جو کئی ہزار صفحوں کی ضخیم دس جلدوں پر مشتمل کتاب ہے ۵۲۰ھ ہجری قمری میں ایران میں لکھی گئی۔ اور اس کے مؤلف و مصنف کوئی بزرگ علامہ ابوالفضل رشید الدین المیبذی ہیں جن کے حالات پر پردہ پڑا ہوا ہے ، یہ بزرگوار حضرت خواجہ عبداللہ انصاری کے مسترشدوں میں سے تھے ۔ صدیوں تک یہ تفسیر اپنے مؤلف کے حالات کی طرح گوشۂ گمنامی میں مخطوطوں کی صورت میں پڑی رہی - اب اتفاق سے اس کتاب کے (غالباً) دو مخطوطے ایران جدید کے مشہور و معروف شاعر و ادیب فاضل آقائے علی اصغر حکمت شیرازی کو دستیاب ہو گئے ۔ موصوف نے متعدد صاحب ذوق اہلِ علم کی مدد سے اسے بڑی دقیقہ رسی سے ایڈٹ کیا ، اور اصل کتاب کی عبارات و الفاظ و محاورات و خیالات جوں کے توں رہنے دیئے ۔ اگر کوئی لفظ سمجھ میں نہیں آیا تو بھی جیسا تھا ویسا ہی رہنے دیا - کسی خیال سے اگر اختلاف ہے تو حاشیہ میں ظاہر کر دیا ورنہ مؤلف نے جو اور جس طرح لکھا اسی طرح ہمارے سامنے آ گیا - مخطوطوں کی نقل میں ایک آدھ نکتہ میں اصلیت پر جذبہ کا اثر محسوس ہوتا ہے ۔ واللہ اعلم

(باقی صفحہ آئندہ پر)

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے سلسلۂ انتشارات میں دس جلدوں میں شائع ہو گئی، اس کی جلد چہارم کے صفحہ ۲۳۲ سطر ۶ اسی ترکیب کا یہ فقرہ موجود ہے کہ:-

"رب العزت گوید جل جلالہ"

(کشف الاسرار جلد ۴ مطبوعہ چاپخانہ دولتی ایران سنہ ۱۳۳۹ ہجری شمسی مطابق سنہ ۱۳۸۰ ہجری قمری)

اور اسی کشف الاسرار کی جلد نہم صفحہ ۳۰۲ سطر ۹ پر ہے کہ:- "بحضرت عزت سجدہ آرد و حق را جل جلالہ بستاید"

ایسی ہی ایک ترکیب اسم علم کے بعد کلمۂ تحسین سے پہلے فعل کے لائے جانے کی ایک عبارت میں نظر سے گزری جو "الجواہر الخمسہ" مصنفہ حضرت شیخ محمد غوث گوالیاری سے متعلق بحث کے دوران میں معزز رسالہ "برہان" دہلی بابت ماہ اپریل سنہ ۱۹۶۲ء کے صفحہ ۲۲۷ پر آئی ہے۔ اس میں حضرت شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی احمد آبادی کے قلمی ملفوظات (گیارھویں صدی ہجری) میں سے نقل کیا گیا ہے۔ جہاں حضرت گجراتی نے اپنے مرشد حضرت گوالیاری کے متعلق فرمایا ہے کہ:-

---

(بقیہ صفحہ گذشتہ) قدیم الفاظ کے معانی منجملہ اور لغت کی کتابوں کے زیادہ تر "برہان قاطع" سے حل کئے گئے ہیں، جس سے برہان قاطع کی علمی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے۔ مصنف یا مؤلف کا اسلوبِ نگارش یہ ہے کہ نوبت اول میں آیت بہ آیت فارسی سادہ میں ترجمہ کرتے ہیں۔ نوبت ثانی میں قرآنی حدیثی اور تاریخی لغوی شواہد کی روشنی میں عربی و فارسی میں مفصل و مطول تفسیر بیان کرتے ہیں۔ نوبت ثالث میں تصوف کے معارف و حقائق کے مربستہ لطائف بہ تفصیل لکھتے ہیں۔ مصنف کا قلم عربی و فارسی میں آبِ رواں کی طرح چلتا ہے۔ توحید و رسالت اور صحابۂ کرام اور بزرگوں کے روحانی لطائف کے بیان میں والہیت کا رنگ ہے۔ اکثر مقام پر دل جھوم جھوم جاتا ہے کتاب پڑھ کر مصنف کے مقامات قربِ الٰہی کے لئے دعا زبان پر آتی ہے اور ان اصحابِ علم و فضل کے ترقی درجات کے لئے دعا کے لئے ہاتھ اٹھتے ہیں جنھوں نے صدیوں کے اس علمی مردہ کو عہد حاضر میں زندگی بخشی۔ علامہ ابوالفضل سیدنا امام شافعی کے مکتبِ فکر اسلامی کے پیرو معلوم ہوتے ہیں۔ انجمن اسلام اُردو ریسرچ انسٹیٹیوٹ بمبئی میں اس کتاب کی تیسری جلد سے دسویں جلد تک موجود ہیں اور پہلی اور دوسری جلد ان کو دستیاب نہیں ہوئی اور ہم نے ان دونوں جلدوں کو نہیں دیکھا۔

شہاب مالیر کوٹلوی ۱۳؍جون (پنجشنبہ) ۱۹۶۳ء

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

"قبل از ملاقات شیخ (گوالیاری) ہیچ خبر از خدا نداشتم - مرا کہ بخدا رسانید شیخ محمد غوث بود - رضی اللہ عنہ -

ترجمہ: (از صاحبِ مضمون) شیخ کی ملاقات سے پہلے تو مجھے خدا کی بھی خبر نہ تھی - جس نے مجھ کو خدا تک پہنچایا ہے وہ شیخ محمد غوث ہی ہیں - رضی اللہ عنہ،

میرا قیاس اگر درست ہے تو غالباً تبسم صاحب کے اصول کے مطابق یہ عبارت بھی غلط ہوگی، کیونکہ فارسی جملہ میں "رضی اللہ عنہ" کی یا دعایا تحسین کو "بود" اور اُردو ترجمہ میں "ہی ہیں" کے بعد لایا گیا ہے حال آنکہ ان کے نزدیک درست اسی وقت ہوتا جب فارسی میں "رضی اللہ عنہ" "بود" سے اور اُردو میں "ہی ہیں" سے پہلے لایا جاتا۔

اس بحث کے ختم ہونے سے پہلے ایک حوالہ اور پڑھ لیجئے۔ حضرت نواب محمد مصطفےٰ خاں شیفتہ مرحوم و مغفور کے تذکرۂ شعراء "گلشنِ بے خار" طبع اول کے ص۲۴۲ پر ایک شاعر تخلص بہ یاد کا ذکر ان لفظوں میں آیا ہے کہ:-

"یاد تخلص میر غلام حسین از اقارب مولانا عبدالعزیز است رحمۃ اللہ علیہ کسب باطن از خدمت مولانا فخرالدین طاب ثراہ نمودہ"

اب فرمائیے اتنے شواہد و نظائر کی موجودگی میں فیلہ ما فیلہ کے نسخۂ بدیعی کی محولہ عبارت کو کیسے کاتب یا کمپوزیٹر یا مؤلف کی غلطی یا غلط فہمی سمجھ لیا جائے۔

تاہم عرض ہے کہ اگر "ملفوظاتِ رومی" (اردو) کے "پیشِ لفظ" کے اعتراض کو صحیح سمجھا ہوں تو اس کی حقیقت واقعی یہ ہے۔ جو سطورِ بالا میں بتفصیل عرض کی گئی۔ لیکن اگر حضرت تبسم کا اس کے علاوہ کچھ اور مطلب ہے، تو مجھے اپنے قصورِ فہم کا اعتراف ہے۔ اور میں اس درازنفسی کے لئے ان سے اور حضرات ناظرین سے معافی چاہتا ہوں۔

والعذر عند کرام الناس مقبول

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قسط نہم :-

میر کا سیاسی اور سماجی ماحول

جناب ڈاکٹر محمد عمر صاحب، اُستاذ جامعہ ملیہ اسلامیہ نئی دہلی

(۲) اقتصادی حالات

تقریباً ۲۶ سال تک اورنگ زیب دکن میں مرہٹوں اور دوسری سیاسی طاقتوں سے جنگ و جدل کرتا رہا اور شمالی ہندوستان کی آمدنی کا بڑا حصہ وہاں صرف ہوتا رہا۔ لیکن اس پر بھی اس نے اپنی دُوراندیشی اور سیاسی بصیرت کی وجہ سے اپنی وفات کے وقت چوبیس کروڑ روپیہ آگرہ کے خزانے میں چھوڑا تھا۔ مگر اُس کے نااہل جانشینوں نے اس روپے کو پانی کی طرح بہا دیا۔[۱] رفتہ رفتہ آمدنی کے سوت سوکھ گئے اور ملک کی اقتصادی حالت بد سے بدتر ہوتی گئی۔

اکبر بادشاہ نے جاگیرداری نظام کی خرابیوں کے پیشِ نظر خالصہ زمینوں کو بڑھانے کی پالیسی پر عمل کیا تھا۔ جس زمین کی آمدنی سرکار بذاتِ خود وصول کیا کرتی تھی، اس طرح سرکاری آمدنی ہو جاتی تھی، اور اُن امیروں کا منھ نہ دیکھنا پڑتا تھا جن پر صوبوں کا لگان کی وصولی اور اُس کو خزانے میں بھیجنے کی ذمہ داری تھی، اکبر کے جانشینوں نے اُس کی اِس حکمت عملی کو نظر انداز کر کے خالصہ علاقوں میں سے بھی جاگیریں تفویض کرنا شروع کر دیا۔ لہٰذا حکومت نے اپنی آمدنی کا ذریعہ کھو دیا۔ خود اورنگ زیب کے زمانے میں صوبائی گورنر مرکزی سرکار کو روپے نہ بھیجتے تھے اور اس سبب سے فوج اور سول افسروں

---

[۱] منتخب اللباب (خافی خان) ج ۲ ص ۵۹۸

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کی تنخواہیں وقت پر ادا نہ کی جا سکتی تھیں۔[1]

چونکہ اٹھارھویں صدی میں مرکزی سرکار بہت کمزور ہو چکی تھی، لہٰذا دور کے صوبوں مثلاً بنگال اور دکن کے صوبہ داروں نے مرکزی سرکار کو روپے بھیجنا بند کر دیا، جہاں تک دارالخلافہ کے قرب و جوار کے صوبوں کا سوال تھا وہاں سے بھی اُسی صورت میں روپیہ وصول ہو سکتا تھا کہ بادشاہ بہت طاقتور ہو اور اپنی فوجی طاقت کا استعمال کر سکتا ہو، صوبائی حاکموں کے علاوہ جو صرف نام کے لئے ہی بادشاہ کے ملازم تھے، دوسرے سردار بھی آزادی کا دم بھرنے لگے تھے، انھوں نے خالصہ کے علاقوں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا اور ان علاقوں کی آمدنی کا رُخ انھوں نے اپنے خزانوں کی طرف موڑ دیا۔

نادرشاہ کے حملے کے بعد، جیسا کہ پہلے لکھا جا چکا ہے، سرکش طاقتیں اور بھی زیادہ بڑھ گئیں۔ خالصہ علاقوں میں بڑی تیزی سے کمی ہو گئی۔ چنانچہ "سلطنتِ شاہ عالم از دہلی تا پالم" مشہور رہی۔[2] علاوہ ازیں نادرشاہ ہندوستان کی بہت کافی دولت، مختلف روایتوں کے مطابق ایک سو اسی کروڑ کا مال غنیمہ، لے گیا تھا۔[3] جو کچھ بچ رہا، وہ مرہٹوں، جاٹوں، روہیلوں اور درباری لوگوں

---

[1] شاہ ولی اللہ نے مکتوبِ اول میں جو انھوں نے بادشاہ وزیر اور امراء کے نام لکھا تھا، اس بات کی ہدایت کی ہے کہ خالصہ کو کشادہ تر کرنا چاہئے، خصوصاً وہ علاقہ جو دہلی کے ارد گرد ہے، آگرہ، حصار، دریائے گنگ اور حدود سرہند تک سب کا سب علاقہ یا اس میں کا اکثر خالصہ ہو، کیوں کہ امورِ سلطنت میں ضعف کا سبب خالصہ کی کمی اور خزانہ کی قلت ہوا کرتی ہے۔ سیاسی مکتوبات ص ۲۴، نیز ملاحظہ ہو، احوال الخواقین (قلمی) الف ۱۸۲، ب ۱۸۳۔

[2] تاریخ محمد شاہی (قلمی) ص ۲۴ ب ۲۵ (الف) نیز ملاحظہ ہو۔
The History of the Reign of Shah Alum (Franklin)

[3] تاریخ فرخ سیر بادشاہ (قلمی) ص ۲۶۷، اقتباس وقایع بدایع (انند رام مخلص) اورینٹل کالج میگزین (نومبر ۱۹۴۱ء) ص ۸۱۔ تاریخ محمد شاہی کے مصنف کا بیان ہے کہ "مملکت چہار صد سالہ و سلطنت و فرمان روائی این آمدنت را برابر ساخت" ص الف ۱۲۸، ب ۱۳۵- ۱۳۶ (الف) خزانہ شاہی کے متعلق لکھا ہے: "گنج ہائے فراواں کہ ہم خزینہ قارونی از شرمندگی بزرگی او بجوچکی رو نمود بغو رمین فرو می روند" ص الف ۱۳۵

© rasailojaraid.com